دبستانِ دہلی کے شعرا کے ہاں تصوّرِ فنا

حافظہ عائشہ صدیقہ

Hafiza Ayesha Saddiqa

M.Phil scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون قادر

Prof. Dr. Muhammad Haroon Qadir

Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

Tasawur e Fana is a mysterious and sheer truth which nobody can denies. Every poet has made this concept, the subject of his poetry. The poets of Dabbistan Delhi, who were influenced by Sufism, expressed this concept especially well in their poetry. They were well acquainted with the reality of this temporary world. They perceive Tasawur e Fana from different angles in different modes and tries to capture the Abstract feeling and emotions in palable Term. In this article an attempt has been made to briefly present the Tasawur e Fana of poets of Dabbistan e Delhi.

شاعری جن تہذیبی سلسلوں سے وابستہ ہوتی ہے، انہیں تصورات ورجحانات کی ترجمانی کرتی ہے۔شاعری کا تعلق چوں کہ زندگی سے ہے، اسی لئے اس میں مذہبی، متصوفانہ، رندانہ، عاشقانہ مضامین کے علاوہ سیاسی، سماجی، معاشی شعور بھی پوری طرح جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ ہماری اردو شاعری بھی ہر رنگ کی ترجمان ہے۔لیکن چوں کہ اردو شاعری یوم ولادت سے ہی آغوش تصوف میں پرورش پاتی رہی ہے، اس لئے اس پر تصوف کے گہرے اثرات نظر آتے ہیں۔ یوں تو شاعری کی سبھی اصناف میں

تصوف کا رنگ واضح دکھائی دیتا ہے لیکن غزل اور تصوف کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ غزل میں تصوف کے گہرے اثرات کی اہم وجہ دلی کے سیاسی، تہذیبی، سماجی اور معاشرتی حالات تھے۔

بارہویں صدی میں دلی کے تہذیبی ماحول میں موسیقی اور سماع کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ دلی میں مزارات پر بھی کثرت سے تھے۔ ان مزارات پر عرس بھی منعقد ہوتے تھے اور مجالسِ سماع کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا۔ ان مجالس کے ذریعے شعر وشاعری کے چرچے بھی ہونے لگے۔ بارہویں صدی سے لے کر اٹھارہویں صدی تک دلی جس سیاسی انتشار کا شکار رہا ہے، اس کی وجہ سے لوگوں، کی زندگیاں مصائب کا شکار تھیں۔ دلی پر پے در پے حملوں، سیاسی حالات کی کشمکش، اقتدار کی ہوس میں قبائل واقوام کے دست وگریباں ہونے نے ہندوستان کی فضا میں شکستگی، یاس کو مزید ہوا دی۔ معاشرتی قدریں پامال ہونے لگیں۔ عوام میں بے چینی، بداعتمادی شکستگی، فنا اور ناامیدی کے جذبات پروان چڑھنے لگے۔ معاشی، اخلاقی، بدحالی، مذہبی بے راہ روی سے سارا معاشرہ عدم توازن کا شکار ہو گیا۔ تصوف نے ایسے میں مایوسی اور پریشان حال انسانیت کو ایک سائبان فراہم کیا۔ وہ تصوف کی گھنی چھاؤں میں پناہ لے کر شاعری میں سر دھنتے تھے۔ اولین اردو شاعری کے شعرا خود بھی صوفی اور درویش منش تھے۔ وہ شاعری کے ذریعے استغنا، قناعت، خوف خدا، فنا، بے ثباتی دنیا وغیرہ کی تلقین سے تزکیہ نفس کی کوششوں میں مشغول رہے۔ اس وجہ سے لوگوں کے دلوں میں زندگی کی بے اعتباری اور انسانی زیست کی ناپائیداری کا گہرا احساس ابھرا اور درویشانہ سماجی ماحول نے ان کی طبیعتوں کو فلسفہ فنا کی طرف مائل کر دیا۔ دبستان دلی کے شعرا کے ہاں اس تصور فنا کے گہرے نقوش دکھائی دیتے ہیں۔ معاشرے کے افلاس وانتشار کے باعث ان پر زندگی کی ناپائیداری اور بھی واضح ہو گئی جس کی وجہ سے تصور فنا ان کے اندر مزید راسخ ہو گیا۔ ذیل میں دبستان دلی کے نمائندہ شعرا کے ہاں تصور فنا کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔

ولی دکنی

ولی کو اُردو شاعری کا باوا آدم بھی کہا جاتا ہے۔ ولیؔ فلسفہ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ ان کی شاعری میں جا بجا وحدت الوجود کے فلسفے کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ وہ عشق میں فنا ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی شاعری میں فنا فی اللہ کا تصور واضح دکھائی دیتا ہے۔

عشق میں لازم ہے اول ذات کوں فانی کرے
ہو فنا فی اللہ دائم یاد یزدانی کرے(۱)

ولیؔ کے نزدیک فنا کی منزل بقائے دوام کے لئے ضروری ہے۔ ولیؔ کی غزلوں میں فنا کے حوالے سے متنوع خیالات بیان ہوئے ہیں:

زندگی ہے جس کوں دائم عالم باقی میں
جلوہ گر کب اس انگے یو عالم فانی ہوا(۲)

سراج اورنگ آبادی

سراج اورنگ آبادی صوفی اور درویش کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔ سراج کی غزل میں فنا فی العشق اور فنا فی اللہ کے مضامین بخوبی بیان ہوئے ہیں۔ ان کے نزدیک عشق خدا میں اتنا فنا ہو جانا چاہئے کہ اپنی خبر تک نہ رہے:

آب رواں ہے حاصل عمر شتاب رو
دہر فنا میں نقش نہیں ہے ثبات کا(۳)

خوابِ آشفتہ ہستی کی یہی ہے تعبیر
غیر فانی ہے مگر جلوۂ حق فانی ہے(۴)

شاہ حاتم

شاہ حاتم کے کلام میں تصوف کے واضح رجحانات ملتے ہیں۔ تصور فنا بھی ان کے اشعار میں بخوبی بیان ہوا ہے۔ ان کے نزدیک یہ زندگی انتہائی قلیل اور ناپائیدار ہے۔ جو فنا ہو جاتا ہے، وہی بقا پاتا ہے۔

مسافر اٹھ تجھے چلنا ہے منزل
بجے ہے کوچ کا ہر دم نقارا(۵)

جو فنا ہو ہوا بقا باللہ
کب اسے زندگی کی پرواہ
ہے(۶)

مرزا مظہر جانِ جاناں

مرزا مظہر کا تصوف اور روحانیت کی طرف زیادہ میلان تھا۔ انھوں نے زبان کی اصلاح کے ساتھ ساتھ عشق و تصوف کو اپنے کلام کا موضوع بنایا۔ ان کی شاعری میں دنیا کی بے ثباتی اور فنائے ذات کے تصورات اجاگر ہوئے:

نہ گل اپنا کیا میں نے نہ بلبل باغباں اپنا
چمن میں کس بھروسے باندھتا ہے آشیاں اپنا(۷)

اتنی فرصت دے کہ رخصت ہو لیں اے صیاد ہم
مدتوں اس باغ کے سائے میں تھے آباد ہم(۸)

انعام اللہ خاں یقین

یقین کے نزدیک بھی ذات کو فنا کر کے ہی منزل مقصود تک پہنچا جا سکتا ہے اور یار کا دیدار کیا جا سکتا ہے:

یار گر منظور ہے دنیا و عقبیٰ سے گزر
منزل مقصود ہے دونوں جہانوں سے پرے(۹)

میر عبدالحئ تاباں

تاباں کے ہاں متعدد جگہوں پر صوفیانہ خیالات نظر آتے ہیں جس میں دنیا کو فانی کہا ہے:

مدت میں حقیقت اس جہاں کی جانی
یہاں دل کا لگانا ہے عبث نادانی
دانا ہے اگرچہ تو سمجھ اے تاباںؔ
باقی باللہ اور سب کچھ فانی(۱۰)

اشرف علی خاں فغاں

وحدت الوجود کے علاوہ ان کے ہاں بے ثباتی دہر اور عبرت کے مضامین بھی ملتے ہیں کیونکہ اس دور کے سیاسی حالات نے ناپائیداری اور فنا کے تصور کو مزید گہرا کر دیا تھا:

آخر اس منزل ہستی سے سفر کرنا ہے
اے مسافر تجھے چلنے کی خبر ہے کہ نہیں(۱۱)

مرزا محمد رفیع سودا

سودا کی غزلوں میں متصوفانہ خیالات پائے جاتے ہیں۔ تصوف چونکہ دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری پر بھی زور دیتا ہے، اس بے ثباتی اور فنائے دنیا کے مضامین سودا کے کلام میں موجود ہیں:

بھلا گل تو، تو ہنستا ہے ہماری بے ثباتی پر
بتاروتی ہے کس کی ہستیٔ موہوم پر شبنم(۱۲)

گر خانۂ گردوں پہ نظر چشم فنا سے
ہے شکلِ حباب اسکی بھی تعمیر ہوا پر(۱۳)

خواجہ میر دردؔ

خواجہ میر درد نے شاعری میں تصوف کو ایک نئے افق سے ہمکنار کیا۔ ان کی پوری شاعری تصوف میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے۔ متصوفانہ ماحول میں پرورش کی وجہ سے درد کے اندر بے نیازی، فقر و قناعت، خودداری اور بے ثباتی دنیا کا واضح شعور تھا جسے معاشرے کی ابتری نے مزید گہرا کر کے فکر فنا کے احساس کو اور بھی بڑھا دیا۔ درد کی شاعری میں فنا کا مضمون بکثرت پایا جاتا ہے۔

گر دیکھیے تو مظہر آثار بقا ہوں
اور سمجھیے جوں عکس مجھے، محو فنا ہوں(۱۴)

موت کیا آ کے فقیروں سے تجھے لینا ہے
مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں(۱۵)

اہل فنا کو، نام سے ہستی کے، ننگ ہے

لوح مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے(۱۶)

میر تقی میرؔ

میر کا دور اضطراب و انتشار کا دور تھا۔ جب ایک عہد کی سیاسی اور تہذیبی زوال کی داستان رقم ہو رہی تھی۔ میر نے حوادث و آلام کی زندگی بسر کی۔ خارجی و داخلی شکست و ریخت نے ان کو سراپا غم بنا دیا۔ زندگی کی محرومیوں اور شکستگی نے ان کے اندر سے لذت دنیا کو کم کر دیا۔ معاشرے کے طبقاتی فرق نے ان خیالات کو اور تقویت بخشی۔ اس لیے ان کے کلام میں جا بجا فنائے دنیا، فنائے ہستی کے مضامین پائے جاتے ہیں:

ہم رہروان راہ فنا ہیں برنگ عمر
جاویں گے ایسے کھوج بھی پایا نہ جائے گا(۱۷)

جیو خوش یا کوئی ناخوش ہمیں کیا
ہم اپنے محو ہیں ذوق فنا میں(۱۸)

میر محمد سوز

سوز کے ہاں دیدار خدا کے لئے فنا ہونا ضروری ہے کیونکہ جسم راستے کا حجاب ہے اور فنا ہی بقا کا راز ہے:

صنم کا دید چاہے تو فنا ہو عاشق صادق
غبار جسم کا اٹھ جاوے تو کچھ حائل نہیں ہوتا(۱۹)

جہاں میں آن کے اے سوزؔ تو نے کیا دیکھا
سوا فنا کے ہے کس چیز کو بقا دیکھا(۲۰)

شیخ قیام الدین قائم

قائم کے ہاں بھی ذات حق میں فنا ہو جانے کا تصور موجود ہے:

ہوئے ہیں ذاتِ حق میں اس طرح غرق
کہ ہے دشوار اپنا آپ انہیں فرق(۲۱)

ان کے نزدیک زندگی حباب کی مانند ہے اس لئے اس کی ناپائیداری ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے:

مت قصر کو ہستی کے کھڑا دیکھ کہ غافل
مانند حباب اس کی ہے تعمیر ہوا پر(۲۲)

میر حسن

زندگی میں مسلسل مصائب و آلام کا سامنا کرنے کی وجہ سے ان کے ہاں رنج و الم، سوز و گداز، گریہ زاری اور فنا کی

کیفیات نمایاں طور پر ان کی غزلوں میں دکھائی دیتی ہیں:

نہ ٹھہرا ذرا قافلہ اس سرا میں
لئے حسرتیں یاں کی بستی سے گزرے(۲۳)

مانند حباب اس جہاں میں
کیا آئے تھے اور کیا گئے ہم(۲۴)

بہادر شاہ ظفر

مغلیہ سلطنت کے زوال اور حالات کی بے بسی اور بے کسی نے ان کے اندر شکستگی پیدا کر دی۔ ان کو دنیا کی بے ثباتی، ناپائیداری اور فنائے ہستی کا گہرا شعور تھا۔ اسی شعور کا کرب ان کی شاعری میں نظر آتا ہے:

روز معمورہ دنیا میں خرابی ظفرؔ
ایسی بستی سے تو ویرا نہ بنایا
ہوتا(۲۵)

اس سے ہے غریبوں کو تسلی کہ اجل نے
مفلس کو جو مارا تو نہ زر دار کو چھوڑا(۲۶)

شاہ نصیر دہلوی

شاہ نصیر دہلوی کے کلام میں تصوف، بے ثباتی اور فنا و بقا کے مضامین عمدہ انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ وہ فنا کو ایک منزل جانتے ہیں جس کے بعد بقا کے سفر کا آغاز ہوتا ہے:

کوئی دم تو اور سیر بحر ہستی کر حباب
کونچ کا ساتھ اپنے کیوں خیمہ ہے تو لے کر اٹھا(۲۷)

آمد و شد میں ہے دیکھی سیر ہستی و عدم
ہم کو اس مہماں سرا میں ہے سفر دونوں طرف(۲۸)

شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ

ذوقؔ کی شاعری میں تصوف و اخلاق کے مضامین بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ان کو دنیا کی بے ثباتی کا عرفان تھا۔ ان کے نزدیک یہ عالم فانی میں چند روزہ حیات گزار کر اگلے جہان میں کوچ کرنا مقصد زندگی ہے:

بہتر تو ہے یہی کہ نہ دنیا سے دل لگے
پر کیا کریں جو کام نہ بے دل لگی چلے(۲۹)

کرے کیا سیر دل ملکِ فنا کی
کہ اس بازار میں سودا نہ پایا(۳۰)

بے نشاں پہلے فنا سے ہو جو ہو تجھ کو بقا
ورنہ ہے کس کا نشاں ذوق فنا نے رکھا(۳۱)

مرزا اسداللہ خاں غالب

غالب کا تصور فنا بنیادی طور پر وہی ہے جس کی صوفیا کرام نے تبلیغ کی۔ یہ دنیا اور معاملات دنیا، سب روبہ فنا ہیں۔ غالب کا نظریہ فنا وحدت الوجود میں ڈوبا دکھائی دیتا ہے۔

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا(۳۲)

قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ، جس کا کہ مال اچھا ہے(۳۳)

غالبؔ زندگی کے نشیب و فراز، رنج و آلام سے بیزار ہو کر بھی فنا اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک زندگی ناپائیدار ہے اور ہر ذی روح کو ملک عدم کی طرف سدھار جانا ہے۔ لیکن غالب کا تصور فنا سے مراد بقائے دوام حاصل کرنا ہے کیونکہ جو محبوب کے عشق میں فنا ہو جاتا ہے وہ اس کے رنگ میں رنگ کر بقا حاصل کر لیتا ہے:

پر تو خور سے ، ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہوتے تک(۳۴)

مت ہو جیو اے سیلِ فنا ان سے مقابل
جانبازِ الم نقش بہ دامانِ بقا ہیں(۳۵)

حکیم مومن خان مومنؔ

مومنؔ کی شاعری عشقیہ اور نشاطیہ رنگ تغزل کی وجہ سے انفرادیت کی حامل ہے۔ ان کی شاعری میں فلسفۂ حیات کے ساتھ عشق کے مضامین بکثرت پائے جاتے ہیں۔ کہیں ان کا عشق حقیقی ہے اور کہیں مجاز کا روپ دھار لیتا ہے اور کہیں عشق مجازی کے مراحل طے کرتے ہوئے عشق حقیقی تک جا پہنچتا ہے۔ مومنؔ محبوب کے عشق میں فنا ہو جانے کو ہی زندگی کی بقا سمجھتے ہیں:

مومنؔ کو بقا ہے بعد دیدار
کیا مژدۂ جاں فزا سنایا(۳۶)

اب مرنے میں مرے کیا باقی
فانی ہیں سبھی خدا ہے باقی(۳۷)

کہیں وہ محبوب کے غم فرقت میں رو رو کر اس کے دیدار کے انتظار میں فنا ہو جاتے ہیں اور کہیں اس کے آنے کی خوشی میں ہی وہ دم دے کر فنا ہو جاتے ہیں:

ہم خاک میں بھی مل گئے لیکن نہ ملے وہ
دل ہی میں رہی رنجش جاناں کی(۳۸)

وہی ہجراں ہے غم کھانے پہ کب تک زندگانی ہو
بس اب مر جایئے کچھ کھا کے عیش جاوداں کیجئے(۳۹)

داغ دہلوی

داغ کے کلام میں شگفتگی، شوخی بیان، معاملہ بندی اور تیکھا پن موجود ہے۔ صفائی زبان اور لطف محاورہ میں کوئی داغ کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ جہاں داغ کی شاعری عشق والفت کی نمائندہ ہے، وہیں ان کی شاعری میں دنیا کے بے ثباتی اور روح کا حسرتوں سمیت عدم آباد ہو جانے کے موضوعات بھی موجود ہیں۔ ان کے نزدیک زندگی کی مشکلات اور عشق سے تکالیف سے نجات اور سکون کا راستہ فنا ہے۔ جس کے بعد انھیں آرام نصیب ہوگا:

زندگی عشق میں مشکل ہے تو مر جائیں گے
اب سے وہ کام کریں گے کہ جو آساں ہوگا(۴۰)

جیتے جی عشق و محبت کو مٹا دو اے داغؔ
کیوں رہے بعد فنا منت کا جھگڑا باقی(۴۱)

تصور فنا کی فنائیت میں ایسی ایمائیت ہے کہ ہر شاعر نے اسے ایک نئی حسیت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ دبستان دلی کے تمام شعرا کے ہاں تصوف کے گہرے اثرات نظر آتے ہیں جس کے باعث اس عالم فانی کی حقیقت ان پر آشکار ہے۔ اس تصور کا اظہار ہر شاعر کی شاعری میں لازمی جز بن کر اس کی رگوں میں دوڑتا دکھائی دیتا ہے۔ گو ہر شاعر نے اسے مختلف انداز اور مختلف پیرائے میں بیان کیا ہے لیکن سب کے ہاں اس احساس کی ترجمانی بخوبی پائی جاتی ہے کہ ہر چیز حامل فنا ہے۔ اس عالم فانی میں چند روزہ حیات مستعار گزارنے کے عدم کی طرف بقا کے لئے کوچ کر جانا ہے۔ لیکن جو لوگ اس ناپائیدار دنیا میں ایسے پائیدار اور مستحکم کام کرنے کو اپنا وتیرہ بنا لیتے ہیں جن کی بنیاد خلوص اور نیکی پر ہوتی ہے، وہ لذت بقا پا لیتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ولی دکنی، کلیات ولی، مرتب: نورالحسن ہاشمی، نئی دہلی: قومی کونسل برائے اردو زبان، ۲۰۰۸ء، ص: ۳۶۰
۲۔ ایضاً، ص: ۹۸
۳۔ سراج دکنی، کلیات سراج دکنی، مرتب: عبدالقادری سروری، حیدرآباد: ۱۳۵۷ھ، ص: ۱۴۱
۴۔ ایضاً، ص: ۴۶۳
۵۔ نورالحسن ہاشمی، دلی کا دبستان شاعری، دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۹ئ، ص: ۱۲۷

۶۔ حاتم، ظہورالدین، شیخ، دیوان زادہ، مرتبہ: حسین ذوالفقار، لاہور: مکتبہ خیابان ادب، ص: ۱۵۹

۷۔ مظہرِ جانِ جاناں، مرزا، دیوان وخریطہ جواہر، حیدرآباد: المصطفیٰ اکادمی، ۱۹۸۸ئ، ص: ۱۷۸

۸۔ ایضاً، ص: ۱۸۱

۹۔ انعام اللہ خاں یقیں، دیوانِ یقیں، مرتبہ: مرزا فرحت اللہ بیگ، علی گڑھ: مطبع مسلم یونیورسٹی، ۱۹۳۰ئ، ص: ۵۰

۱۰۔ عبداللہ حیٔ تاباں، دیوانِ تاباں، مرتبہ: مولوی عبدالحق، دکن: انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۵ئ، ص: ۲۰۲

۱۱۔ اشرف علی خاں، فغاں، دیوانِ فغاں، مرتبہ: سرورالہدیٰ، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، ۲۰۰۳ئ، ص: ۱۶۹

۱۲۔ سودا، رفیع، مرزا، کلیاتِ سودا، لکھنؤ: مطبع منشی نول کشور، س ن، ص: ۲۳۹

۱۳۔ سودا، رفیع الدین، کلیات سودا، مرتب: ڈاکٹر شمس الدین صدیقی، جلد اول، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع دوم، ۱۹۹۲ئ، ص: ۱۹۲

۱۴۔ میر درد، دیوان درد، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۸۹ئ، ص: ۴۹

۱۵۔ ایضاً، ص:

۱۶۔ ایضاً، ص: ۸۰

۱۷۔ میر، میر تقی، دیوان اول، مشمولہ: کلیات میر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ئ، ص: ۲۱

۱۸۔ ایضاً، ص: ۴۲۱

۱۹۔ نفیس اقبال، ڈاکٹر، اردو شاعری میں تصوف، ص: ۱۸۵

۲۰۔ ایضاً، ص: ۱۸۵

۲۱۔ ایضاً، ص: ۱۹۳

۲۲۔ ایضاً، ص: ۱۹۱

۲۳۔ میر حسن، دیوانِ حسن، لکھنؤ: مطبع منشی نول کشور، س ن، ص: ۱۰۸

۲۴۔ ایضاً، ص: ۵۹

۲۵۔ بہادر شاہ ظفر، انتخاب کلام ظفر، مرتبہ: شاہد علی خاں، لاہور: نقوش پریس، س ن، ص: ۳۰

۲۶۔ ایضا، دیوان دوم، ص: ۸۲

۲۷۔ شاہ نصیر دہلوی، کلیات شاہ نصیر، جلد اول، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۱ئ، ص: ۳۵۷

۲۸۔ ایضاً، جلد دوم، ص: ۱۴۴

۲۹۔ آزاد، محمد حسین، مقدمہ، کلیات ذوق، لاہور: عبداللہ اکیڈمی، ۲۰۱۲ئ، ص: ۳۱

۳۰۔ ذوق، محمد ابراہیم، کلیات ذوق، ص: ۵۱

۳۱۔ ایضاً، ص: ۶۶

۳۲۔ غالب، اسداللہ خاں، دیوان غالب، لاہور: مکتبہ جمال، ۲۰۱۱ء، ص: ۳۵

۳۳۔ ایضاً، ص: ۱۱۷

۳۴۔ ایضاً، ص: ۵۸